اصولِ قانون سازی کے مغربی اور اسلامی تصور کا تحقیقی وتقابلی جائزہ

میمونہ یاسمین☆

Abstract:

"Priciples of Law or Usul-ul-Fiqh according to Islam is such a subject which discusses its significance and necessity along with the human duties relating to religion, culture and morality. Though the western law makers / legislators have formulated their own laws but their theories and sources of law are very different from Islamic theory of law because Islamic theory of law consists on religion and ethics, other than, the western legislators are opponent of ethical theories of law. That is why, the western legislators have great conflict regarding Jurisprudence. But Fiqh-e-Islami have no conflict regarding it, because the base of Fiqh-e-Islami is Revelation (وحی) which is the final and authentic source of law."

Key Words: Jurisprudence, Usul-ul-Fiqh, Islam,Western Ideas, Legislators, Theories, Comparison.

عہدِ جدید میں قانون کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔ انسانی زندگی کا ہر پہلو خواہ معاشرت سے متعلق ہو یا معیشت سے، ریاست سے متعلق ہو یا بین الممالک تعلقات سے، یہ سب قانون کے دائرہ حدود میں داخل ہیں۔ قانون نے اپنا اثر زندگی کے تمام پہلوؤں پر پھیلا رکھا ہے، اس لیے قانون کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، موجودہ دور کے وضعی قوانین کے برعکس اسلام کا تصور قانون ہمہ گیر ہے اور اس کے احکام اسلامی قانون کے آغاز ہی سے زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ دیگر اقوام عالم کی طرح مسلمانوں کا اپنا مستقل قانونی نظام ہے جو گزشتہ چودہ سو سال سے ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کر رہا ہے۔(۱)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کون سا ایسا شعبہ حیات ہے جس سے قانون اسلامی بحث نہ کرتا ہو اور اس کے بارے میں

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، ڈھوک الٰہی بخش، راولپنڈی

رہنمائی نہ دیتا ہو۔ بعض اوقات اسلامی قانون کا موازنہ رومن لاء سے کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلامی قانون حکمراں جسٹینین (Justinian جو نبی آخر الزماں ﷺ کی ولادت باسعادت سے چار پانچ برس پہلے فوت ہوا تھا) نے اس کا جو مجموعہ مرتب کرایا تھا وہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے اور یہ مجموعہ بھی عبادات و دینی امور کے ذکر سے خالی ہے۔''(۲)

ضرورت واہمیت کے لحاظ سے ''اصولِ قانون'' (Jurisprudence) اس نوعیت کا علم ہے کہ اس کے کام آنے کا بظاہر کوئی موقع نظر نہیں آتا۔ منطق کے مضمون کی طرح یہ کسی پیشہ یا کسب میں کام نہیں آتا اگرچہ اصول قانون کا علم حاصل کرنے سے کوئی ظاہری اور فوری مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ تاہم اس علم سے دماغ کی جلا ملتی ہے اور نظر میں جو وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے عام قانون کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لائق اور قابل قانون دان بننے کے لیے اصول قانون کو سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ کسی ملک کا رائج قانون اس میں رہنے والوں کے اساسی و بنیادی نظریات وعقائد کی عکاسی کرتا ہے۔ اس طرح اس کی بنیادی ضرورت واہمیت کے پیش نظر دنیا کے ہر قانون میں ''اصول قانون'' کو اساسی مقام حاصل ہے اور اس کا دائرہ کار نہ صرف مذہب بلکہ اخلاق وتمدن اور دیگر شعبہ جات پر بھی محیط ہے۔

اُصولِ قانون کی ضرورت واہمیت

الف۔ مذہبی نقطۂ نظر سے اُصولِ قانون کی ضرورت واہمیت

انگریزی میں مذہب کے لیے (Religion)(۳) کا لفظ ہے۔ جس کا مفہوم عقیدے اور پوجا پاٹ کے ایک نظام کا ہے۔ لیکن پوجا پاٹ اسی وقت ہوسکتی ہے، جب انسان اپنے آپ کو کسی ہستی کے ساتھ وابستہ کردے۔ اس لیے انسان اپنے آپ کو سب سے زیادہ، سب سے بڑی ہستی کارساز، کارفرما ہستی سے وابستہ کر دیتا ہے لیکن لفظ Religion ہر مذہب کی مکمل تشریح نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر ''اسلام'' میں مذہب کا اتنا محدود مفہوم نہیں ہے کہ اسلام صرف عقیدہ اور پوجا پاٹ کے ایک نظام کا نام ہو بلکہ اسلام میں عقیدہ وریاست، سیاست ومعاشرت بلکہ انسان کی زندگی کے ہر لمحہ کو اسلام کی تعلیم کے مطابق اس کے مذہب میں داخل ہے۔(۴)

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اپنی مشہور کتاب "Islamic Ideology" میں لکھتے ہیں:

> "Religion then, according to Islam is nothing more than this that a man should actively and effectively believe in God as a creator of a rational and moral order in the universe and in human life and as the origin and promulgator of laws which are the laws of the preservation of values and the maintenance and enrichment of well being. It is his duty to discover this God with in himself and with in the universe in general."(5)

(اسلام کی رو سے مذہب بجز اس کے کچھ اور نہیں کہ انسان عملاً اور مؤثر طریقے سے خدا پر ایمان لائے۔ اس کو کائنات اور حیاتِ انسانی میں نظامِ عقل واخلاق کا خالق اور ان قوانین کا مبداء اور نافذ کنندہ سمجھے جو اقدار کے تحفظ اور فلاح و بہبود کے قیام وترقی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس کا فرض ہے کہ وہ خدا کو خود اپنے اندر اور بیشتر کائنات میں دریافت کرے۔)

مغربی تصوّر

الہامی ادیان صرف تین ہیں: ا۔ یہودیت ۲۔ عیسائیت ۳۔ اسلام

یہودی اُصول قانون کی بنیاد تورات پر ہے۔ جو صرف بنی اسرائیل کے لیے نازل کردہ الہامی کتاب ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾(۶)

(اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب شریعت دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا۔)

موسوی شریعت کے بنی اسرائیل تک محدود ہونے پر تاریخ مذاہب عالم کا اجماع ہے۔(۷)

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں یہودیت کے مقالہ میں درج ہے:

"The Foundation of Judaism rests on two principles, the unity of God and the choice of Israel."(8)

(یہودیت کی بنیاد دو اُصولوں پر استوار ہے۔ توحید الٰہی اور انتخاب اسرائیل۔)

یہودی اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا مختار اور ذمہ دار ہے اور تورات اور عہد نامہ قدیم کی بعد کی کتب سے ایسے بیانات بکثرت ملتے ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا تذکرہ ایسے ملتا ہے کہ انسانی صفات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً:

''جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو خدا تعالیٰ ان کے آگے دن میں بدلی کے ستون میں ہو کر، تا کہ ان کو راستہ دکھائے اور رات کو آگ کے ستون میں ہو کر، تا کہ ان کو روشنی بہم پہنچائے، چلتا تھا اور اسی طرح وہ دن و رات سفر کر سکتے تھے اور وہ ان لوگوں کے آگے سے دن کو بدلی کا ستون اور رات کو آگ کا ستون ہرگز نہ ہٹنے دیتا تھا۔''(۹)

امریکہ میں یہودیت کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور یہودیوں کا ایک طبقہ یورپ اور امریکہ دونوں ملکوں میں قدامت پرستوں کا طبقہ ہے جو پرانی روایات سے ہرگز نہیں ہٹنا چاہتے۔ یہودی اپنے مذہبی رسوم وشعائر اور قوانین کی ضابطہ بندی کا کام رضائے الٰہی کے مطابق سرانجام دینے کی خاطر اپنی مذہبی کتب سے معلوم کرتے ہیں کہ کسی خاص صورت حال میں عمل کا کون سا طریق مرضیٔ الٰہی کے مطابق ہو گا۔ جہاں مذہبی کتب سے کوئی ہدایت نہ ملتی، تو اس کے عام اصولوں سے رہنمائی حاصل کی جاتی۔ علاوہ ازیں قدیم زمانے کی بے شمار زبانی روایات سے بھی مدد لیتے اور ان روایات کو ضمنی قوانین کی حیثیت سے استعمال کرتے، جن کا درجہ ان کے یہاں کتبِ مقدسہ سے کم نہ تھا۔

یہودیوں کے مذہبی احکام میں سے شریعت اور قانون کے مطالعے اور اس پر غور وفکر کا حکم سب سے زیادہ اہم ہے۔ نیز ہر یہودی پر مذہباً فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قانون کے مبادی سے روشناس رکھے۔[۱۰] نیز تورات کے احکامِ عشرہ[۱۱] میں سے پہلا حکم ''مذہبی'' نوعیت کا ہے۔ جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے فرمایا: ''میں خداوند تیرا خدا ہوں، تیرا کوئی الٰہ نہیں ہے، سوائے میرے۔''

اگرچہ یہودی اپنے قوانین کو الہامی مانتے ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے قابلِ ترمیم نہیں اور جن میں حالات کے لحاظ سے توسیع نہیں کی جاسکتی، لیکن بعض صورتوں میں انہوں نے نہ صرف قوانین مذہبی کے تعطل کو گوارا کیا بلکہ ان کی تنسیخ کو بھی ضروری قرار دیا، مثلاً خطرے کی صورت میں حفظ نفس کا تقاضا ہو یا کوئی مذہبی قانون، ناممکن العمل ہو یا اس سے کوئی ناقابلِ برداشت اذیت یا مضرت پہنچنے لگے یا مذہب کی بقا اور اس کے وقار کو خطرہ لاحق ہو جائے یا حکومتِ وقت کے قانون سے اس کا تصادم واضح ہو تو ان وجوہات کو مذہبی قوانین کی ترمیم کے لیے کافی خیال کیا جاتا ہے۔[۱۲]

یہودیت کے برعکس جس کی بنیاد عمل اور احترام قانون پر رکھی گئی تھی اور جس کا مدار اشخاص پر نہیں بلکہ تعلیمات اور روایات پر تھا، عیسائیت میں ابتداء ہی سے عمل کے مقابلے میں ایمان کو اور قانون کے بجائے اخلاقی کردار کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ نیز عیسائی مذہب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شخصی وابستگی کو مدار دین قرار دیا گیا۔ عیسائیت کے مطابق انسان دراصل فطرت خداوندی پر پیدا کیا گیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیت کے دائرے میں رہتے ہوئے مذہب کی ایک متصوفانہ تعبیر کے ذریعہ مذہبی زندگی کی بنیاد ظاہری قانون پرستی کے بجائے ایمان اور قلبی تعلق باللہ پر رکھی۔[۱۳]

''انجیل متی'' میں مذکور ہے:

> ''اور ان میں سے ایک عالم شرع نے آزمانے کے لیے اس سے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے پوچھا، اے استاد، توریت میں کون سا حکم بڑا (یعنی مرکزی) ہے؟ اس نے اس سے کہا کہ ''خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔'' بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ ''اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔'' انہیں دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے۔''[۱۴]

انقلاب فرانس سے پہلے تک یورپ کے اکثر و بیشتر ممالک میں رومن چرچ کا مذہبی قانون نافذ تھا۔ اور اس نے ایسے دوسرے قوانین کے ساتھ مل کر مغربی قوموں کی معاشرت اور ان کے اخلاق کو بہت سی شدید خرابیوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔ انقلابی دور میں جب آزاد تنقید اور آزادانہ تفکر کی ہوا چلی تو سب سے پہلے اہلِ فرانس نے اس قانون کے نقائص کو محسوس کیا، اور یہ دیکھ کر کہ علمائے دین کسی طرح اس کی اصلاح پر آمادہ نہیں کیے جاسکتے، سرے سے اس کا جوا ہی اپنے کندھوں سے اتار پھینکا (۱۷۹۴ء) اس کے بعد یہی ہوا دوسرے ممالک میں بھی چلی اور رفتہ رفتہ انگلستان، جرمنی، آسٹریا، بلجیم، ہالینڈ، سویڈن،

ڈنمارک، سوئٹزرلینڈ وغیرہ نے مذہبی قانون چھوڑ کر اپنے اپنے جداگانہ قوانین نکاح وطلاق وضع کر لیے جن میں قانونی تفریق اور فسخ کے علاوہ طلاق کے لیے بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔(۱۵)

مذہبی قانون سے آزاد ہو جانے کے بعد مغربی ممالک میں گزشتہ ستر اسی سال کے اندر ازدواجی قانون وضع کئے گئے ہیں ان کو بنانے میں اگرچہ سینکڑوں ہزاروں دماغوں نے اپنی بہترین قابلیتوں کے ساتھ حصہ لیا ہے اور نئے تجربات کی روشنی میں پے در پے ترمیمیں اور اصلاحیں بھی کرتے رہے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود ان کے قوانین میں وہ توازن اور اعتدال پیدا نہیں ہو سکا ہے جو عرب کے ایک امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش کئے ہوئے قانون میں پایا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مذہبی قانون سے آزاد ہو کر بھی وہ اپنے دل ودماغ کو ان تصورات سے اب تک پاک نہیں کر سکے ہیں جو انہیں رومن چرچ کے ابتدائی بانیوں سے وراثت میں ملے ہیں۔(۱۶)

اسلامی تصور

کسی بھی مسلمان کے لیے قانون کا مسئلہ محض علمی اور نظری نہیں رہا، بلکہ اسلامی معاشرہ میں قانون کی حیثیت ایک زندہ اور متحرک قوت کے طور پر ہے۔ اور اس میں ناقابلِ تقسیم وحدت اور روحانیت ومادیّت کا تصور بھی یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ جو کہ ﴿فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾(۱۷) کو اُجاگر کرتا ہے۔ اس لیے اسلام نے قانون کو خاص اہمیت دی اور یورپ چونکہ اس سعادت سے محروم تھا۔ لہٰذا اس نے اسلام کے سامنے اور مسلم مفکرین کے سامنے نہ صرف زانوئے تلمذ تہ کیا بلکہ ان کی دانش کو اپنے یہاں برت کر باقاعدہ استفادہ کیا۔ اپنے گھر کا یہ حال ہے کہ جدید انسان کی بے بسی پر اب خود یورپ ماتم کر رہا ہے(۱۸) جبکہ مشرقی یورپ کے تمام ملکوں میں مسلمانوں کا قومی تشخص مذہب کی بدولت قائم ہے۔(۱۹)

دین پر قانون کی بناء رکھنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ سیاست وحکومت پر کسی خاص طبقے کی اجارہ داری قائم ہو جائے یا لوگوں کو زبردستی کسی خاص عقیدے کا پیروکار بنایا جائے۔ دین اسلام زبردستی کا ہرگز قائل نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ﴾(۲۰) (دین اسلام میں کوئی جبر نہیں۔)

تقابلی جائزہ

اہلِ مغرب کے ہاں مذہب اور قانون کے رشتہ کے بارے میں ایک عرصے سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی:

> ''وہاں (مغرب) میں مذہب کے غلط نظریات اور اہلِ مغرب کے استحصالی رویہ کی وجہ سے پندرہویں صدی کے اواخر ہی سے مذہب کے خلاف ایک شدید بغاوت پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت

سے لے کر آج تک وہاں بیشتر اہلِ فکر کا دماغ صرف اس ایک نقطہ پر کام کرتا رہا کہ مذہب کو اجتماعی زندگی سے کیوں کر بے دخل کیا جائے اور اس کے لیے کیا کیا جواز فراہم کیے جائیں۔ انیسویں صدی کے آتے آتے لامذہبیت کو ایک طے شدہ نظریہ کی حیثیت حاصل ہوگئی اور مذہب کا رشتہ تمام اجتماعی اداروں اور عمرانی علوم سے منقطع ہوگیا۔ اس طرزِ فکر کا نتیجہ یہ نکلا کہ قانون اور دوسرے تمام عمرانی علوم اور اجتماعی اداروں کی حقیقی فکری بنیاد کے بارے میں شدید ترین اختلافات پیدا ہوگئے اور کسی ایک بنیاد پر اتفاق رائے کا وجود قریب قریب ناممکن ہوکر رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں ہر قابلِ ذکر قانونی مفکر اپنا ایک نظریۂ قانون مرتب کرنا ضروری سمجھتا ہے۔''(۲۱)

اگرچہ بے شمار مغربی ممالک اس کوشش میں برسرِ پیکار رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اتباع دین سے ہٹا دیا جائے لیکن در پردہ خود اب تک مذہب کے پابند ہیں۔ یورپ اور امریکہ کی عدالتیں اور عوام عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بے دریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اگر بقول ان کے مذہب کی پابندی زوال کا باعث ہے تو یہ ممالک اپنے مذہب کو خیر باد کیوں نہیں کہتے اور کیوں اس کی تبلیغ نہیں چھوڑ دیتے۔

مسلم ممالک کا حال یورپی ممالک سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارا دین مسیحیت کی مانند نہیں ہے۔ ہمارے دین میں جس طرح زندگی کے ہر معاملے سے متعلق واضح اور قطعی احکام موجود ہیں۔ اسی طرح سیاست وحکومت کے بارے میں بھی بالکل واضح اور صریح احکام موجود ہیں۔ اس وجہ سے اس امر کا ہرگز خدشہ نہیں ہے کہ اگر قوانین کی بناء دین پر ہو تو حکمران یا علماء من گھڑت قوانین کو خدا اور مذہب کے نام پر پیش کر دیں گے۔ اسلامی قوانین پر مبنی حکومتوں کی کارفرمائی ہمارے ہاں صدیوں تک رہی ہے۔ ان میں اسلامی اصولوں سے انحراف بھی ہوا ہے مگر انحراف کو ہمیشہ انحراف سمجھا گیا ہے، اسے مذہبی تقدیس کبھی حاصل نہیں ہوسکی۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام میں سیاست وحکومت سے متعلق احکام وہدایات اسلامی تعلیمات کا ایک اہم اور لاینفک جزو ہیں۔ اگر انہیں ترک کر کے ان کی جگہ پر غیر اسلامی قوانین کو رائج کیا جائے تو یہ دین سے صریح خروج اور بغاوت کے مترادف ہے۔ عیسائیوں کے ہاں جب مذہب اور سیاست کی علیحدگی کا اعلان کیا تھا، عملاً انہیں اپنے قوانین میں تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑی تھی کیونکہ عیسائیت کا دامن قانون وشریعت سے پہلے ہی تہی دامن تھا اور رومی قوانین کو پہلے ہی بالادستی حاصل تھی، بہرحال نہ ہی اس معاملے میں اسلام کو مسیحیت پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس معاملے میں مسلمانوں کی تاریخ اور یورپ کی تاریخ میں کسی طرح کی مماثلت پائی جاتی ہے۔(۲۲)

برطانوی وزیراعلیٰ گلیڈسٹون (Glad Stone) نے دارالعوام میں کھڑے ہوکر کہا تھا:

''برٹش امپائر کے قدم اس وقت تک اسلامی ممالک میں نہیں جم سکتے، جب تک ان میں یہ کتاب موجود ہے جسے ''قرآن'' کہا جاتا ہے۔''(۲۳)

مغربی مبلغین یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ مذہب اور علم وعقل کا سرے سے کوئی جوڑ ہے ہی نہیں، لیکن درحقیقت یورپ نے ابھی تک رومن امپائر کی سرپرستی کو اپنایا ہوا ہے اور اس کو سرکاری مذہب

قرار دے کر اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

قانونِ اسلامی کا امتیاز ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت دنیا کے سامنے ایک قانونی چیلنج تھا کہ اگر تم میں ہمت ہے تو اس رومی قانون سے بہتر قانون بناؤ۔ اس چیلنج کا ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے جواب دیا اور وہ قانون بنایا جو جسٹینین (Justinian) کے قانون سے بھی حقیقتاً بہتر ہے۔ اس میں وہ کمزوری بھی نہیں جو جسٹینین کے قانون میں تھی بلکہ استحکام، استقامت اور پائیداری بھی ہے۔ اسلامی قانون میں جو وسعت اور ہمہ گیری ہے وہ رومی قانون میں نہیں ہے۔ مثلاً جسٹینین کے کوڈ میں دینی اُمور اور عبادات کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے، اسی طرح اور بہت سی چیزیں جو اسلامی قانون میں ملتی ہیں وہاں نظر نہیں آتیں، اگر کوئی شخص غیر جانبداری سے رومی اور اسلامی قانون کا موازنہ کرے تو وہ یقیناً یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ اسلامی قانون ہی بہتر ہے۔(۲۴)

دینِ اسلام کی تعلیمات قرآن حکیم کی شکل میں غیر متبدل وغیر متغیر، کامل ومکمل، بہ تمام وکمال محفوظ ومصئون ہیں۔ جبکہ موسوی اور عیسوی شریعت ان تمام خصائص پر پوری نہیں اترتیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود بھی فرمایا ہے:

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ لا وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾(۲۵)

(یہ لوگ کلمات (الٰہی) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی۔ ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے ہیں۔)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾(۲۶)

(ان میں سے کچھ لوگ کلام الٰہی کو سنتے ہیں۔ پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے ہیں۔)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں سابقہ شریعتیں متبدل ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود بھی فرمایا تھا:

"I have yet many things to say unto you but ye can not bear them now"(27)

(میرے پاس تمہیں سنانے کو بہت سی باتیں ہیں مگر تم ان کو برداشت نہ کر سکو گے).

البتہ آپ نے اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت سنا دی تھی۔ یورپ نے اسلامی قوانین سے ہر قدم پر استفادہ حاصل کیا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے یورپ نے اندلس سے جہاں فلسفہ وحکمت اور ریاضیات کے علوم وفنون سیکھے، وہاں فقہ اسلامی کی تعلیم بھی حاصل کی لیکن چونکہ فقہ اسلامی منجملہ مذہبی علوم کے تھی اس لیے اہل یورپ نے اپنے عوام سے اس کو پوشیدہ رکھا مبادا کہیں عوام بھڑک اٹھیں لیکن اس سے استفادہ ضرور کیا نہ صرف علمی بلکہ عملی بھی۔(۲۸)

ابو ولید محمد عبداللہ بن خبر و نے ''نهایه شرح هدایه'' کی تعلیمات میں لکھا:

''فرنگستان (یورپ) کے جو طالب علم حصولِ علم کے لیے غرناطہ کا سفر کرتے تھے، فقۂ اسلامی کو اپنی زبان میں منتقل کرنے پر خاص زور صرف کرتے تھے۔ اس لیے کہ وہ اس کو اپنے ملک میں جا کر اس کو عمل میں لائیں کیونکہ ان کے ملک کے قوانین بہت خراب ہیں۔''(۲۹)

ان تمام دلائل سے دینِ اسلام اور اسلامی قانون کی مذہبی نقطۂ نظر سے اہمیت بخوبی اُجاگر ہو جاتی ہے۔

ب۔ تمدنی نقطۂ نظر سے اُصولِ قانون کی ضرورت و اہمیت

تمدن ایک روحانی شے ہے، جس کے لیے آزادی، شعور کے ساتھ خدمت اور ذاتی ایثار ضروری ہے۔ تمدن اسی وقت ظہور پذیر ہوتا ہے، جب انسان شعوری طور پر اپنی ذاتی و جبلی (فطری) خواہشات کو دبا کر افراد، معاشرہ اور انسانیت کی خدمت، فلاح اور بہتری کی کوشش کرتا ہے۔(۳۰)

مغربی تصوّر

یورپ مختلف ممالک غربیہ کا نام ہے، چونکہ ہر ملک کی آب و ہوا جداگانہ ہے اور ہر قوم کے لوگ مختلف الطبع، اس لیے وہاں کی طرزِ معاشرت کا مختلف ہونا بھی ضروری ہے۔(۳۱) اے۔ جے گرانٹ مغربی تہذیب و تمدن کے ارتقا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''چونکہ براعظم یورپ، ایشیاء اور افریقہ سے ملحق ہے، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قرونِ ماضیہ میں یورپ کی تہذیب ایشا اور مصر کے تمدن قدیم کی خوشہ چیں رہی ہے۔''(۳۲)

ڈاکٹر یونس نے ۱۸۹۳ء میں کریٹ میں جو نئی باتیں معلوم کیں، ان سے تاریخ قدیم کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئی تھیں، ان میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا۔ ڈاکٹر یونس نے ایک گم شدہ تہذیب کے آثار دریافت کیے جس کا مؤرخین کو کبھی وہم و گمان بھی نہ ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یورپ کی تہذیب و تمدن کا آغاز ہومر(۳۳) کی نظموں سے سیکڑوں بلکہ ہزاروں سال قبل ہوا ہے(۳۴) ہومر کی تصویریں اور رزمیہ نظمیں تمدنِ یورپ کی بھرپور تصویر کشی کرتی ہیں۔ روم کی تاریخ اور انیسویں اور بیسویں صدی میں امریکہ و برطانیہ کی ترقی کے حالات و واقعات میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ روم کے معاشرہ میں جدید زمانے کے مسائل کی طرح شرح طلاق میں اضافہ، شرح پیدائش میں کمی پر زور اور تفریحی مواقع کی کثرت کی اہمیت اور اس کے روک تھام کے لیے کیے گئے دیگر عملی اقدامات ہیں۔(۳۵)

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق:

''جدید تہذیب و تمدن نے بھی ایسے اسباب فراہم کر دیئے ہیں جو افرائشِ نسل سے عام نفرت پیدا کرنے والے ہیں۔''(۳۶)

اسی طرح یورپ کی تمدنی و معاشرتی زندگی کو پُر لطف بنانے میں پارک، باغات، قہوہ خانے، سینما گھروں وغیرہ کا سہارا لیا گیا ہے۔ لیکن اس سے مخلوقِ خدا کو صحتِ جسمانی اور اخلاقی نقصان کا سامنا

کرنا پڑ رہا ہے۔ یہاں تک کہ رنگ و نسل کا امتیاز امریکہ میں اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ وہاں کے قانون فوجداری کی بعض دفعات گورے اور کالے رنگ اور بے رنگ کا امتیاز جائز قرار دیتی ہیں۔

انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز کا مقالہ نگار رقم طراز ہے:

"Sociological Jurisprudence has gained much of its vitality from attacks up the "unrealistic" nature of legal rules and concepts."(37)

(معاشرتی قانون سازی نے غیر حقیقی اور پختہ اصول قانون اور نظریات کے خطرات سے قوتِ حیات لی ہے۔)

ہارٹ (Hart) کے مطابق:

"As an intellectual discipline, the sociology of law has a far broader compass than the study of "the requirements of justice which lawyers term principles of legality."(38)

(عقلی نظم و ضبط کے طور پر معاشرے کے قانون کا دائرۂ کار انصاف کے تقاضوں اور وکیلوں کی شریعت پسندی سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔)

اسلامی تصوّر

حضور ﷺ نے قوانین کو جن طریقوں سے عملی جامہ پہنایا، اُن میں ایسے اصولِ ملتے ہیں جو ہر زمانہ اور تمام حالات میں انسانی سوسائٹی کی تنظیم کے لیے یکساں مفید اور قابلِ عمل ہیں، یہی وہ اُصول ہیں جو ہر زمانہ کے لیے ناقابلِ تغیر و تبدل ہیں مگر وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان اصولوں کی روشنی میں اس وقت کے تقاضوں کے لیے نئے قوانین وضع کیے جا سکتے ہیں۔(۳۹)

دینِ اسلام کے عطا کردہ تمدنی اصولوں کو جاننے کے لیے قبل از اسلام عرب کے معاشرتی خدوخال سے واقفیت نہایت ضروری ہے کیونکہ عربوں کے تمدن پر اسلام کی آمد کے بعد واضح اثرات اُجاگر ہوئے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ(۴۰) فرماتے ہیں:

''ان کنت ترید النظر فی معانی شریعة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فتحقق اوّلا حال الا میین الذین بعث فیهم التی هی ماده تشریعة وثانیا کیفیة اصلاحه لها بالمقاصد المذکورة فی باب التشریع والتیسیر واحکام اللّٰه ''(۴۱)

(اگر تم شریعت رسول اللہ ﷺ کے مقاصد میں غور و فکر کرنا چاہتے ہو تو پہلے ان اُمی لوگوں کے حالات کا تحقیقی مطالعہ کرو جن میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے، کیونکہ یہی حالات ہی تشریعی مادہ ہیں، پھر ان حالات کی اصلاح کی اس کیفیت کو تحقیقی نظر سے جانچو جو تشریع تیسیر اور احکام کے مذکورہ مقاصد کی اساس ہے۔)

اسلامی تمدن میں وحی اور الہام کو اوّلین مقام حاصل ہے۔ لہٰذا قانون سازی کے لیے انسانی

کاوشوں کو ضمنی حیثیت حاصل ہے اور جو ہستیاں الہامی قوانین کے نزول کا وسیلہ بنتی ہیں ان کو پیغمبر، رسول اور نبی کے القاب سے نوازا گیا ہے۔

''مقدمہ ابنِ خلدون'' میں مذکور ہے:

''جب معاشرہ فطرت اور دفاعی ضروریات کے پیشِ نظر اجتماعیت کے اس موڑ تک پہنچ جاتا ہے کہ مل جل کر رہے تو اب آپس میں اختلافات ابھرنا شروع ہوتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ بغیر کسی قانون قاعدے کے معاشرہ اپنے فطری تقاضے پورے نہیں کر سکتا، لہٰذا یہاں سے حکومت وریاست کی احتیاج محسوس ہوتی ہے جو افراد کو ان کی چیرہ دستیوں سے باز رکھے اور حق وعدل قائم کرے۔''(۴۲)

معاشرے یا اجتماع کے علم کا جدید نام ''عمرانیات'' ہے۔ ''عمرانیات'' کے اصول ونظریات کی تدوین میں ابنِ خلدون رحمۃ اللہ علیہ یورپ کے تمام جدید مفکرین اور مصنّفین کا پیشرو ہے۔ اس میدان میں اس سے قبل سوائے یونانی فلاسفہ کے کسی نے قدم نہیں رکھا۔

ابنِ خلدون رحمۃ اللہ علیہ کے ''مقدمہ'' نے ہم اہلِ مشرق اور بالخصوص اہلِ اسلام کے مقابلے میں اہلِ مغرب کی توجہ اور دلچسپی کو اپنی طرف مائل کیا۔(۴۳) میکاوَلی(۴۴) (Machiavalli) ابنِ خلدون سے بہت مشابہت رکھتا ہے اور مونٹیسکو(۴۵) (Montesquieu) کے بھی مماثل ہے۔ کیونکہ ان دونوں نے تاریخی واقعات کی روشنی میں اجتماعِ قوانین کو اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔

مسلمان علماء اور فقہا روزِ اوّل ہی سے اسلام کا مطالعہ بحیثیت ایک مذہبی، دستوری اور عمرانی نظام کے کیا کرتے تھے، اسی وجہ سے ہمیں اسلام کے تشریعی ضابطہ میں عبادات سے لے کر قانونی واقتصادی معاملات سبھی کے احکام ملتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ دینِ اسلام میں اکثر حالات کے اندر مذہبی اور اخلاقی تعلیمات اور دستوری وآئینی مکاشفات لازم وملزوم بن گئے ہیں، اسلامی فلسفہ آئین کا سب سے بڑا بنیادی ماخذ قرآنِ کریم بھی اسی وجہ سے عدل اور خیرات کا ذکر ایک ہی آیت میں یکجا طور پر ان الفاظ میں کرتا ہے:

''ان اللّٰہ یا مرکم بالعدل و الاحسان و ایتاء ذی القربیٰ''(۴۶)

(اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ عدل اختیار کرو، احسان کیا کرو، اور اپنے عزیز واقارب کے ساتھ داودہش سے پیش آیا کرو۔)

ایسی ہی تعلیمات کی بنا پر اسلامی قانون کے اندر یہ ضابطہ انصاف وجود میں آیا، کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو آزار نہ پہنچائے اور لین دین کے معاملات میں دیانت اور رواداری کا لحاظ سب کا قانونی فرض ہوگا، اس قسم کے اخلاق آموز احکامات سے نہ صرف مسلمانوں کو بنفسہٖ ازحد فائدہ پہنچا، بلکہ ان کی وجہ سے اسلام کے فلسفہ قانون میں بھی حقیقی عدل اور بنی نوع انسان کی محبت کا عنصر کارفرما ہوگیا۔

تمدنی اعتبار سے اصولِ قانون کی ضرورت واہمیت اس لحاظ سے بھی اجاگر ہوتی ہے کہ ان کی

مدد سے ہر فرد سے یکساں ومساویانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اور قوموں اور ملکوں کے تمدنی ومعاشرتی نظم ونسق کو اس پیمانے پر استوار کیا جاتا ہے، گویا کہ انسان کی تمدنی زندگی کے لیے ہر قدم پر اُصول، ضابطہ اور قانون کی ضرورت پیش آتی ہے۔

تقابلی جائزہ

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت مشرق ومغرب میں دنیا کی حالت نہایت مخدوش تھی۔ لوگوں کو نہ تو کوئی آزادی حاصل تھی اور نہ ہی حقوق کا حصول ممکن تھا۔ علاوہ ازیں ریاست اور کلیسا لوگوں کے حقوق غضب کرنے کے لیے متحد رہتے تھے۔ سید امیر علی اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:

> ''جب تک حرا کے گوشہ نشین نے آزادی کا راگ نہ الاپا، جب تک اس نے انسانیت کی برابری کا نعرہ بلند نہ کیا، جب تک اس نے ذات پات کے نظام کو تہ وبالا نہ کر دیا اور انسانیت کو آزادی بخشی، اس وقت تک ان زنجیروں نے کائنات کو اپنی جکڑ میں باندھے رکھا تھا اور آپ ﷺ نے یہ زنجیریں توڑیں، آپ ﷺ وہی پیغام لائے تھے جو آپ ﷺ سے پہلے آنے والے لے کر آئے تھے بلکہ آپ ﷺ نے تو اس کی تکمیل کی۔''(۴۷)

افضل الرحمٰن اپنی کتاب ''شخصی آزادی'' میں فرماتے ہیں:

> ''یہ نہ تو یونانی اثرات تھے، نہ ہی یونانی فلسفے سے متاثر پوری تحریک، (بلکہ یہ) آزاد خیالی کی روح تھی جیسا کہ اہلِ مغرب کہتے ہیں کہ یہ تو وہ روشنی تھی جو پیغمبر اسلام ﷺ پر ۶۱۰ عیسوی میں غار حرا میں جلوہ افروز ہوئی، جس نے سسکتی ہوئی انسانیت کو ذات پات اور انسانی غلامی کی بندشوں اور تکلیفوں سے نجات دلائی۔''(۴۸)

یہ چیز اب عموماً تسلیم کر لی جاتی ہے کہ مغرب اپنے نظام ہائے زندگی، آزادانہ تصورات اور سائنسی کامیابیوں کے لیے اسلامی تہذیب کا مرہونِ منت ہے۔ اگرچہ اہل مغرب کی وسیع اکثریت اس چیز کو کھلم کھلا تسلیم نہیں کرتی، لیکن کچھ لوگ ایسے موجود ہیں، جو مغرب کی سائنسی ترقی اور آزادانہ تصورات کو اسلامی تہذیب کا مرہون منّت سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ ہچکچاتے ہوئے یہ تسلیم کرتے ہیں اور کچھ لوگ ارسطو، سقراط اور دیگر یونانی فلسفیوں کی اوٹ میں تسلیم کرتے ہیں اور کچھ لوگ کسی بھی قسم کے اثرات کے انکاری ہیں۔ لیکن ایک متلاشی حق سچی بات پا ہی لیتا ہے اور حقیقت کبھی چھپی نہیں رہ سکتی۔(۴۹)

ڈاکٹر ولیم ڈریپر (م ۱۸۸۲ء) اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے:

> ''قرونِ وسطیٰ میں یورپ کا بیشتر حصہ لق ودق بیابان یا بے راہ جنگل تھا، کہیں کہیں راہبوں کی خانقاہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں۔ جا بجا دلدلیں اور غلیظ جوہر تھے۔ لنڈن اور پیرس جیسے شہروں میں لکڑی کے ایسے مکانات تھے۔ جن کی چھتیں گھاس کی تھیں۔ چمنیاں، روشن دان اور کھڑکیاں مفقود، آسودہ حال امراء فرش پر گھاس بچھاتے اور بھینس کے سینگ میں شراب ڈال کر پیتے تھے۔''(۵۰)

یہی حال ۱۸۷۷ء میں ڈریپر نے روم کا بھی بتایا ہے۔ ۱۰۳۰ء کے قحط میں لندن کے بازاروں میں انسانی گوشت بھی بکتا تھا[۵۱] اور فرانس کے ایک دریا ساؤن کے کنارے انسانی گوشت کی کتنی ہی دکانیں تھیں[۵۲]

صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس[۵۳] پہ قبضہ کیا تھا جو ۱۱۸۷ء تک جاری رہا[۵۴]

بریفالٹ کے ان الفاظ سے اسلام کے تمدنی قانون کی خوبیاں بخوبی اُجاگر ہوتی ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

''صرف بیس سال کے عرصے میں ان عیسائیوں نے سارے ملک کو برباد کر دیا، یہاں جاگیردارانہ نظام جاری کر دیا۔ ملک کو ٹکڑوں میں بانٹ کر مختلف یورپی سرداروں کے حوالے کر دیا جو ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ان ظالموں کا مقصد دولت سمیٹنا تھا۔ انہوں نے ایک ایسے ملک کو جو عربوں کی مدبرانہ حکومت کی وجہ سے شاداب و آباد تھا، بالکل تباہ کر دیا۔''[۵۵]

یہی حال برطانیہ کا بھی تھا جو باقی یورپ کا تھا۔ تاریخ کا قطعی فیصلہ ہے کہ اگر مسلمان سپین[۵۶] اور سسلی[۵۷] میں جاتے تو یورپ بربریت، ہلاکت اور انتہائی بداخلاقی کی دلدلوں سے کبھی نہ نکل سکتا۔ مسلمانوں نے یورپ کو ایک تابدار تمدن، عظیم الشان تہذیب، بے شمار درس گاہیں اور ہر قسم کے علوم دیئے، انہیں کپڑے پہننا، نہانا، کھانا اور انسانوں کی طرح رہنا سہنا سکھایا، اخلاق و آداب کا درس دیا، اُن سے آٹھ سو برس تک نہایت عادلانہ وفیاضانہ سلوک کیا۔ اپنے درباروں میں بڑے بڑے منصب دیئے، سب کچھ کیا لیکن جونہی انہیں زوال آیا۔ عیسائیوں نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیئے۔[۵۸]

لیبان کے مطابق:

''یورپ نے عربوں سے تہذیب حاصل کی یورپ میں عربوں کے علوم سپین، سسلی اور اٹلی کی راہ سے پہنچے۔ اگر عربوں کا نام یورپ کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو یورپ کی حیات ثانیہ کئی سو سال پیچھے جا پڑتی ہے۔''[۵۹]

ایس۔ پی سکاٹ کا کہنا ہے:

''فریڈرک دوم نے مسلمانوں کے سارے علوم یورپ میں پھیلائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو ممالک اس کے زیرنگیں نہیں تھے۔ ان میں علمی تحریک پیدا ہوگئی۔''[۶۰]

ایک مہذب معاشرتی زندگی میں عائلی قوانین کی اہمیت وضرورت دوسرے قوانین کی نسبت زیادہ ہے۔ جن میں نکاح وطلاق سے متعلقہ قوانین اہمیت کے حامل ہیں۔ مثلاً شریعت یہودیہ میں طلاق کی عام اجازت ہے البتہ عورت کے لیے صرف مرد کے زنا کا رثابت ہونے کی صورت میں طلب تفریق کا حق ہے۔ طلاق کے بعد مرد اپنی زوجہ سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا، جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے دخول کے بعد اس سے تفریق حاصل نہ کرلے یا وہ خود اسے طلاق دے دے یا مر جائے۔ اسلامی قانون میں طلاق رجعی میں رجوع اور طلاق بائن ایک یا دو کی صورت میں از سرِ نو نکاح کرنے کے جواحکام پائے جاتے ہیں۔ شریعت یہودیہ میں نہیں ملتے۔ اسی طرح اسلام میں عورت کو جن متعدد اسباب

ووجوہ کی بناء پر طلب تفریق کا حق دیا گیا ہے۔ وہ اسلامی قانونِ طلاق کی برتری کا بین ثبوت ہے۔(۶۱)

عیسائی مذہب نکاح کو نا قابلِ انقطاع تصور کرتا ہے۔ لیکن بالآخر مجبور ہو کر یہ قرار دیا گیا کہ فریقین میں سے کسی ایک کا مرتکب زنا ہونا علیٰحدگی کا موجب ہوسکتا ہے، مگر یہ ''علیٰحدگی'' محض جسمانی ہوگی۔ رشتۂ نکاح بدستور قائم رہے گا کیونکہ ''جسے اللہ نے جوڑا، اسے آدمی جدا نہ کرے'' بالفاظ دیگر زوجین میں سے کسی ایک کو نکاح ثانی کی اجازت نہ ہوگی بلکہ وہ بقیہ عمر ''ازدواجی زندگی'' سے محروم رہیں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی اور حرام کاری کو کھلی چھٹی مل گئی۔ اس موضوع پر ''چرچ'' اور ''اسٹیٹ'' میں زبردست آویزش ہوئی اور عیسائی چرچ دو گروہوں میں بٹ گیا۔ ایک رومن کیتھولک اور دوسرا پروٹسٹنٹ، ایک وہ جواز دواجی تعلق کو نا قابلِ انقطاع تصور کرتا ہے اور دوسرا قابلِ انقطاع۔(۶۲)

انگلستان میں عدالتی ذریعہ سے تفریق حاصل کرنے کا اختیار سب سے پہلے قانون معاملات ازدواج (Matrimonial Causes Act) مجریہ، ۱۸۵۷ء کے تحت دیا گیا۔ بعد میں حالات زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کے قوانین میں ردوبدل آتا گیا۔ اور نکاح کو باطل اور فاسد قرار دیا جانے لگا۔ اس بات نے انگلستان کی عدالتوں میں مزید دشواریاں اور پیچیدگیاں پیدا کر دیں۔ ان مغربی قوانین کے مقابلے میں اسلام کا عطا کردہ قانونِ نکاح وطلاق افضل ہے۔ جس میں اعلیٰ معاشرتی اقدار کی جھلک ملتی ہے۔ اور جوردّوبدل سے مبرا ہے۔

مغربی مفکرین کے نزدیک قانون اور اخلاق دو مختلف معیاری نظام (Normative Systems) ہیں۔ اگرچہ بعض مقامات پر ایک دوسرے سے قریب ہوجاتے ہیں لیکن عموماً ایک دوسرے سے یکسر اختلاف اور عدم ہم آہنگی کا شکار ہیں۔ چنانچہ کانٹ کے بقول قانون ہمارے خارجی طرزِ عمل کو تجویز کرتا ہے۔ اور اخلاق ہمارے داخلی طرزِ عمل کو متعین کرتا ہے، اسی طرح kelsen اخلاقی تصورات کو قانون میں سمو دینے کا سخت مخالف اور مجرد قانون (Pure Law) کے نظریہ کا حامل ہے،(۶۳) لیکن اسلام کا تصور قانون اس سے مختلف ہے۔ اسلامی قانون، دین فطرت کا ایک لازمی جزو ہونے کی حیثیت سے اپنے اندر روحانی اور اخلاقی نظام اس طرح سموئے ہوئے ہے کہ وہ ایک کل کے دو لاینفک اجزاء اور باہم لازم وملزوم نظر آتے ہیں۔(۶۴)

الغرض تاریخ سے بھی ہمیں اس بات کی تائید حاصل ہوتی ہے کہ اسلام ساری دنیا کے لیے ایک مکمل طریقہ اور ضابطۂ حیات لے کر آیا اور ایک ایسا قانون لے کر آیا جو دینی اور دنیاوی دونوں امور پر حاوی ہیں۔

تقابلی جائزہ

قانون کے اصول وضوابط ہمیشہ اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ ہوتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو معاشرہ درہم برہم ہوجائے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر قانون اخلاقی پیمانے پر پورا اترے۔ (مغرب

میں) بعض لوگ یہ تو تسلیم کر لیتے ہیں کہ قانون کی آخری سند اخلاقی اصول ہیں اور جس قانون کی تائید اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے نہ ہوتی ہو، وہ ایک بُرا اور ناپسندیدہ قانون ہے۔ لیکن پھر اگلے ہی قدم پر وہی مشکل آن پڑتی ہے کہ پھر اخلاق کیا ہے؟ اور اخلاق کی اپنی سند کیا ہے؟(۶۵)

دوسرے فلسفہ ہائے انصاف اور اسلام کے نظام عدل وقضاء میں اخلاق قانون کے لحاظ سے بھی بڑا فرق ہے۔ اول الذکر میں اخلاق کا تعلق معاشرے سے ہے، قانون سے نہیں ہے۔ یہ انسان کے داخلی طرزِ فکر کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اخلاقی اصول پامال کیے جائیں تو اس کے لیے اخلاقی دباؤ ہوتا ہے، قانون کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ قانون انسان کے خارجی طرزِ عمل کے مطابق مرتب کیا جاتا ہے۔ وہاں شراب نوشی اس وقت تک جرم متصور نہیں ہوتی جب تک اس کے اثرات دوسروں پر نہ پڑیں۔ یہی وجہ ہے کہ شراب پی کر گاڑی چلانا جرم ہے، اس سے پہلے نہیں۔ حالانکہ محض شراب نوشی اخلاقی برائی ہے۔ قانون میں بہت سی دوسری اخلاقی برائیوں کی بھی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ ان معاشروں میں اخلاق اور قانون دو متوازی لکیریں ہیں جن کا مقام اتصال ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔(۶۶)

اسلام اور عیسائیت کے اخلاقی قوانین کا منبع وحیٔ الٰہی ہے۔ لیکن دین مسیحی سے مغرب نے جو اخلاق لیا، وہ زیادہ تر منفی انداز رکھتا تھا اور واقعات سے اس کا تعلق نہیں تھا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ''جو تمہارے داہنے رخسار پر تھپڑ مارے، بایاں بھی اس کے سامنے کر دو۔'' یورپ نے مذہب کے بجائے اپنے اخلاقیات کی بنیادیں فلسفہ میں تلاش کرنی شروع کر دیں چنانچہ ''ضمیر'' اور ''فرض'' اور ''نیکی'' جیسے الفاظ کا سہارا لینے لگے۔

اہلِ مغرب نے سائنسی ایجادات کی ترقی سے متاثر ہو کر ہر علم وفن کو سائنس بنا ڈالنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور قانون اور اخلاقیات بھی اس کا شکار ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اصول قانون کے معاملے میں تعارض کا شکار ہیں۔ لیکن ان کے مقابلے میں فقہ اسلامی اس بحران کا شکار نہیں ہے کیونکہ فقہ اسلامی کی اساس وحیٔ الٰہی ہے۔ جو کہ قانون سازی کی آخری اور حتمی سند ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ شام، شہزاد اقبال، اسلامی قانون ایک تعارف (شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۱۰ء)، ص۲/ پیش لفظ

۲۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، (اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، ۱۹۹۷ء)، ص۱۸۶

3. Encyclopaedia of Britanica, (1929), Ed: 13th, 19/105

4. Muhammad Iqbal, Dr. The Reconstruction of Religious Thought in Islam, (Sh. Muhammad Ashraf, Kashmiri Bazar, Lahore, 1962), P.2

5. Khalifa, Abdul Hakim, Islamic Ideology, (Institute of Islamic culture Lahore, 1951), P. 85

۶۔ بنی اسرائیل ۱۷:۲

۷۔ گورایہ، محمد یوسف (مقالہ) شریعت، ایک ہمہ گیر اور دائمی الہامی قانون، (ماہنامہ، فکر ونظر، اسلام آباد، جولائی ۱۹۸۱ء)، ش:۱، ص۱۹/ ۶۱

8. Encyclopedia of Religion and Ethics, 7/571

۹۔ تورات: کتاب خروج، باب۱۳، آیات ۲۱۔۲۲ ، مزید دیکھئے: (i) تورات: کتاب خروج، باب ۳۱۔۱۸ (ii) تورات: کتاب خروج، باب: ۳۳۔ آیات ۲۰۔۲۳

۱۰۔ صدیقی، محمد مظہر الدین، اسلام اور مذاہب عالم، (تقابلی مطالعہ)، (ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء)، ص۵۵۔۵۶

مزید دیکھئے: فاروقی، عماد الحسن، دنیا کے بڑے مذہب، (مکتبۂ تعمیرِ انسانیت، لاہور، ۱۹۹۰ء)، ص۲۲۳-۲۳۶

۱۱۔ احکام عشرہ: تورات کی روایت کے مطابق وہ ''دس احکام'' جو اللہ نے کوہ سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے۔ کتاب خروج کے باب ۲۰، آیات ۳۔۱۷ میں یہ احکام بیان ہوئے ہیں۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص۱۴۳)

۱۲۔ صدیقی، مظہر الدین، م۔ن، ص۸۸۔۸۹

۱۳۔ فاروقی، عماد الحسن، دنیا کے بڑے مذاہب، (مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۹۰ء)، ص۲۹۱

۱۴۔ انجیل متّی: باب۲۲، آیات ۳۵۔۴۰

۱۵۔ مودودی ابو الاعلیٰ، اسلام اور جدید عائلی قانون کا ایک تقابلی مطالعہ، مضمون مشمولہ: (چراغ راہ، اسلامی قانون نمبر، کراچی جون ۱۹۵۸ء)، ص۱/۲۴۹

۱۶۔ ایضاً، ص۱/۲۵۰

۱۷۔ البقرۃ ۲:۲۰۱

۱۸۔ مسعود احمد، مولانا، یورپی قوانین پر اسلامی قوانین کے اثرات، (سہ ماہی، منہاج، لاہور، اپریل ۱۹۸۵ء)، ش:۲، ص۳/ ۷۷
۱۹۔ اسماعیل بالک، مشرقی یورپ میں اسلام، (ماہنامہ، فکر ونظر، اسلام آباد، اکتوبر ۲۹۸۲ء)، ش:۴، ص۲۰/ ۵۰
۲۰۔ البقرۃ ۲:۲۵۶
۲۱۔ غازی، محمود احمد، اصول فقہ، ایک تعارف، (شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء)، ص۲/ ۳۹
۲۲۔ عودہ رحمۃ اللہ علیہ، عبدالقادر، (شہید)، اسلام اور ہمارا قانونی نظام، (ماہنامہ، ترجمان القرآن، لاہور، اسلام آباد، فروری ۱۹۵۶ء)، عدد:۶، ص۴۵/ ۵۶۔۵۷
۲۳۔ ایضاً، ص:۵۳
۲۴۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، (م ۲۰۰۲ء)، خطبات بہاولپور، خطبہ نمبر۳، تاریخ فقہ، (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء)، ص۳۷
۲۵۔ المائدہ ۵:۱۳
۲۶۔ البقرۃ ۲:۵۷
۲۷۔ اسماعیل بالک، (فکر ونظر)، حوالہ مذکور، ص۴۶
۲۸۔ ندوی، ریاست علی، سید، اغلبیوں کا عدالتی نظام، (ماہنامہ معارف، دائرۃ المعارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۳۳ء)، رجسٹرڈ نمبر ۷۱۔۷۸۱، ص۴۴۱
۲۹۔ ایضاً، ص۴۴۴
۳۰۔ مبارک حسین، سیّد، ارتقائے تمدن، (آر۔ایچ احمد اینڈ برادرز، تاجران کتب، حیدرآباد، س۔ن)، ص:۱۰
۳۱۔ احسان، محمد خان، ڈاکٹر، تمدن یورپ، (محمد علی ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی نمبر۸، مغربی پاکستان، ۱۹۶۵ء)، ص۲۵
۳۲۔ ہومر، (Homer): قدیم یونان کا عظیم رزم گو شاعر معلم۔ تعلق آئیونیا (Ionia) کی بجائے یورپی یونانیوں سے تھا۔ یہ ایلیڈ (Illiad) اور آڈیسی (Odyssey) کا مصنف تھا۔ (Chamber's Biographical Dictionary)، ص۹۱۳
۳۳۔ گرانٹ، م۔ن، ص۴
۳۴۔ ودود شاہ اخوند زادہ، سید، اسلام جدید تہذیب کا سرچشمہ، اردو ترجمہ (Islam, The fount of modern Civilization)، (ادارۂ نقشبندیہ اویسیہ، دارالعرفان، چکوال، ۱۹۹۹ء)، ص۴۲
۳۵۔ مودودی رحمۃ اللہ علیہ، ابوالاعلیٰ، مولانا، اسلام اور ضبطِ ولادت، (اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء)، ص۱۷۔۱۸
36. International Encyclopaedia of the Social Sciences, David. L. Sills, (The Macmillan Company of The Free Press, New York, London), Vol.9,P.50
37. Hart, Ibid, P.202

۳۸۔ چراغ راہ، حوالہ مذکور، ۲/ ۱۵

۳۹۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) بن عبدالرحیم: مترجم ومفسر قرآن تھے۔علم حدیث مدینہ سے حاصل کیا۔قرآن کا فارسی میں ترجمہ کیا۔سب سے مشہور تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' ہے۔
(ولی اللہ، شاہ، دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، مصر، ۱۳۲۲ھ، ص: ۷۔۱۴)

۴۰۔ شاہ ولی اللہ، م۔ن، ۱/ ۹۹

۴۱۔ ابنِ خلدون رحمۃ اللہ علیہ، ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد (م ۸۰۸ھ) مقدمۃ ابن خلدون، (الفیصل تاجران وناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء)، ۱/ ۶۷

۴۲۔ ایضاً، ص ۶۸

۴۳۔ میکاولی: (۱۴۶۹ء۔۱۵۲۷ء)، اطالوی سیاست دان اور مؤرخ تھا۔(اردو جامع انسائیکلوپیڈیا) ۲/ ۱۶۷۸

۴۴۔ مونٹیسکو: (۱۶۸۹ء۔۱۷۵۵ء)، فرانسیسی ادیب اور فلسفی، بورڈو کا اعلیٰ مجسٹریٹ تھا۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ص ۲/ ۱۶۴۹)

45. Ameer Ali, Syed, The Spirit of Islam,(Karachi, 1969), P.27

۴۶۔ سورۃ النحل ۱۶:۸۹

۴۷۔ افضل الرحمٰن، شخصی آزادی، مترجم، محمد ایوب منیر، (فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۳ء)، ص ۲۹۰

۴۸۔ ایضاً، ص ۲۹۶

۴۹۔ ڈریپر، ولیم، ڈاکٹر، معرکہ مذہب وسائنس، مترجم، مولانا ظفر علی خان، (لاہور، س۔ن)، ص ۳۶۱

۵۰۔ ایضاً، ص ۴۲۵

۵۱۔ بریفالٹ رابرٹ، تشکیل انسانیت، مترجم، مولانا عبدالمجید سالک، (مجلس ترقیِ ادب، لاہور، ۱۹۵۸ء)، ص ۲۰۹

۵۲۔ بیت المقدس: پاک گھر، اُمتِ مسلمہ کا قبلہ اوّل، یروشلم اور اس کی عبادت گاہ، جس کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھی اور تکمیل حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی۔(الحموی رحمۃ اللہ علیہ، یاقوت، شہاب الدین ابی عبداللہ (م ۶۲۶ھ)، معجم البلدان، (مصر، س۔ن)، ص ۵/ ۱۶۶۔۱۷۲

۵۳۔ برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، یورپ پر اسلام کے احسان، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س۔ن)، ص ۸۰

۵۴۔ بریفالٹ، م۔ن، ص ۳۰۰

۵۵۔ سپین: (ہسپانیہ)، خود مختار ریاست، دارالحکومت میڈرڈ ہے۔ یہاں مسلمانوں کی بھی حکومت رہی۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ص ۱/ ۳۵۷۔۳۶۷)

۵۶۔ سسلی: یہ جزیرہ اٹلی کے جنوب میں واقع ہے۔اس کا رقبہ ۹۸۶۰ مربع میل ہے۔(برق، غلام جیلانی، م۔ن، ص ۷۰)

۵۷۔ آرنلڈ، میراثِ اسلام، ص: ۴ بحوالہ برق، م۔ن، ص ۸۷

۵۸۔ مزید دیکھیے: لیبان، گستاؤلی، تمدنِ عرب، (اردو) (مفید عام آگرہ، س۔ن)

۵۹۔ سکاٹ، ایس۔ پی، اخبار الاندلس، ترجمہ ہسٹری آف دی مورش امپائر، ص:۳/ ۵۸۔۱۰۵ بحوالہ برق، ص۲۹۸

۶۰۔ تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء)، ص۲/ ۳۴۸

۶۱۔ ایضاً، ص۳۴۸۔۳۴۹

۶۲۔ تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، ص۲/ ۳۵۱۔۳۵۲

۶۳۔ تنزیل الرحمٰن، مجموعۂ قوانین اسلام، ص۱/ ۶

۶۴۔ بخاری، عبدالرحمٰن، م۔ن، ص۱۵۴

۶۵۔ غازی، م۔ن، ص۴۰

۶۶۔ شام، شہزاد اقبال، م ن، ص۱۵۲